ٹیپو سلطان اور تحریکِ آزادی

از: آصف اقبال قاسمی
شاستری پارک، دہلی-۵۳

شیرِ میسور ٹیپو کی جشنِ سالگرہ پر عدمِ رواداری اور انارکی کا جو کھیل کھیلا گیا اس نے جہاں ملک کو شرمسار کیا ہے، وہیں اس فتنہ نے تاریخِ ہند کو داغدار کرنے کی ہو رہی منظّم سازشوں کے خدشات کو بھی تقویت دی ہے۔

میسور کے حکمراں ٹیپو سلطانؒ کے جشنِ پیدائش پر ریاست کرناٹک میں پھیلائی گئی انارکی جس میں تین افراد کی موت بھی ہوئی، ملک میں بڑھ رہے عدمِ تحمل کے رجحانات اور رواداری کے فقدان کی ایک نئی شکل پیش کرتی ہے۔ بہار انتخاب میں شکست کے بعد ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ بی جے پی اور بھگوا بریگیڈ خود احتسابی میں مصروف ہو جائیں گی اور اپنی منفی فطرت میں تبدیلی کا ٹھوس منصوبہ بنائیں گی، لیکن انتخابی نتائج کے اعلان کے فوراً بعد ٹیپو سلطان کی جینتی پر جس طرح سے انارکی کا کھیل کھیلا گیا وہ اس بات کی غماز ہے کہ عدمِ برداشت کی اس نئی داستان میں لوگوں کو الجھا کر بی جے پی اور آر ایس ایس اپنی شکستِ فاش سے عوام کی توجہ ہٹائے رکھنا چاہتی ہے۔ اب معاملہ عظیم مجاہدِ آزادی اور شہید وطن ٹیپو سلطانؒ کی سالگرہ پر جشنِ ولادت کا ہے۔ کرناٹک میں ریاستی سرکار کی جانب سے مملکتِ خداداد کے حکمراں اور اٹھارہویں صدی کے عظیم بادشاہ ٹیپو سلطان کے یومِ پیدائش 10/نومبر کو 'یوم ٹیپو سلطان' منائے جانے کے فیصلے سے سخت گیر تنظیموں وشو ہندو پریشد، بجرنگ دل، ہندو جاگرن اور ان سب کی سرپرست بی جے پی نے جس ردِعمل اور انارکی کا مظاہرہ کیا اس نے تو غیر ملکی میڈیا کی نظر میں بھی ملک کی عدمِ روادار فضا اور مذہبی تنوع کے وجود کو سوال کے کٹہرے میں لا کھڑا کر دیا ہے۔ اسی سلسلے کا ایک بدنما پہلو اس وقت سامنے آیا جب معروف ڈرامہ نگار گریش کرناڈ نے ریاستی حکومت کو یہ تجویز دی کہ ریاست کرناٹک کی راجدھانی بنگلور کے انٹرنیشنل ایئرپورٹ کا نام تبدیل کر کے ٹیپو سلطان کے نام سے موسوم کیا جائے، انھوں

نے اپنی ایک تقریر کے دوران سچ کہا کہ اگر ٹیپو سلطان مسلمان نہ ہوتے تو ان کو بھی وہی تاریخی عزت اور سمّان ملتا جو مہاراشٹر میں شیواجی کو ملا ہے۔اس تجویز نے تو انتہا پسندوں کو حواس باختہ ہی کردیا اورانھوں نے کرناڈ کو بھی ایم۔ایم کلبرگی جیسے انجام کی دھمکی دے ڈالی۔

اس جشنِ ولادت کی یہ کہہ کر مخالفت شروع کی گئی کہ ٹیپو سلطان ’ہندوؤں کے تئیں متعصب‘ تھا، جس نے اپنے دورِ حکومت میں کئی مندر تڑوائے اور تبدیلیٔ مذہب کی مہم کی سرپرستی کی تھی۔ اسے ملک کی بد نصیبی کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ جس بادشاہ نے اپنے دورِ حکمرانی میں ملک کو سامانِ زندگی کے معاملے میں خود کفیل بنادیا ہو، جس نے ملک کے غریب کسانوں کو ان کا حق دلانے اور انھیں خوشحال بنانے کے لیے جاگیردارانہ بربریت کا استیصال کردیا ہو اور عدل ومساوات اور مذہبی رواداری کے ساتھ باہم متحد ہوکر انگریزوں کے دانت کھٹے کردیے ہوں، اسی بادشاہ کی شبیہ کو زک پہنچانے، ان کی خدمات کو یکسر فراموش کرنے اور ان سب سے بڑھ کر ان کے تئیں نسلِ نو میں نفرت کی تخم ریزی کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

سب سے پہلے ہم قارئین کے سامنے ٹیپو سلطان پر لگائے گئے اس طرح کے بے بنیاد الزام کے تعلق سے تاریخی دستاویز اور موجودہ صورتحال کے تناظر میں یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ فرقہ پرستوں کی جانب سے لگائے گئے الزامات ٹیپو کی شبیہ کو مسخ کرنے کی ایک عالمی سازش کا حصہ ہیں۔ ہندوستان میں ایسے کئی مسلم بادشاہ گزرے ہیں جن کی زندگی اور خدمات کی ترجمانی سنگھی فکر کے حامل مورخین نے غلط پیرایے میں کی اور اُن کے طرزِ حکمرانی کو جان بوجھ کر پیچیدہ اور متنازع بنادیا گیا اور یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔ان میں سے ایک مجاہد آزادی ٹیپو سلطانؒ (۱۰رنومبر ۱۷۵۰-۴رمئی ۱۷۹۹ء) بھی ہیں۔

آیئے ذرا اب تاریخ کے دریچے کھولیں۔تاریخ شاہد ہے کہ ٹیپو سلطان ایک نرم دل، عدل پرور، مساوات، مذہبی رواداری کے علمبردار اور بار بار معاف کردینے والے بادشاہ تھے۔وہ ایک ایماندار اور روشن خیال حکمراں تھے جنھوں نے اپنے دورِ حکومت میں نہ صرف بین المذاہب رواداری کو باقی رکھا بلکہ اس کی جڑوں کو مستحکم کرتے ہوئے ہندوؤں کو اعلیٰ عہدوں پر فائز بھی کیا، ان کی حکمرانی میں وزیراعظم، پیش کار، علاقائی نگراں اور خزانچی جیسے بڑے عہدے غیر مسلموں کے پاس ہی تھے۔’پونیا پنڈت‘ ٹیپو کے وزیراعظم تھے تو ’کرشنا راؤ‘ خزانچی تھا۔’شامیا اینگر‘ نامی شخص اُن کا وزیر برائے پوسٹ و پولیس تھا، اسی طرح متعدد ہندوؤں کو انھوں نے مختلف

ڈپلومیسی مشن کے لیے مامور کررکھا تھا اور ایک برہمن کو تو انھوں نے ’مالابار‘ علاقہ کی پوری ذمہ داری دے رکھی تھی۔ انھیں اپنی عبادت کے لیے مکمل آزادی دی، غیر مسلموں کی اپنے مذہبی پروگرام کے انعقاد پر حوصلہ افزائی بھی کرتے، تاکہ ہماری مذہبی رواداری اور مشترکہ تہذیب باقی رہے اور انگریزی ثقافت اس پر حاوی نہ ہونے پائے۔ تاریخی حوالے سے یہ بات ثابت ہے کہ ٹیپو سلطان سرنگیری، کولور، میلکوٹ جیسے سیکڑوں مندروں اور اہم مٹھوں کو امداد بھیجتے تھے، وہ سلطنتِ خداداد میں واقع مندروں کی سرپرستی بھی کرتے تھے؛ بلکہ ایک موقع پر تو مندر کی تعمیر کا حکم بھی دیا تھا، سرنگیری مٹھ پر جب مراٹھیوں نے حملہ کیا اور اسے لوٹ لیا تو ٹیپو ہی نے اس کی بازآبادکاری کرائی۔ یہ تاریخ کی عجب ستم ظریفی ہے کہ آج مراٹھی اور ان کے لیڈر شیواجی کو ملک کی تاریخ میں ایک ’ہیرو‘ کا مقام حاصل ہے اور ٹیپو کو ایک مخصوص مذہب کا نمائندہ بادشاہ بتا کر انھیں جابر اور سفاک بتایا جارہا ہے۔ ٹیپو کے تعلق سے اس طرح کے دیگر تاریخی حقائق کا تذکرہ تاریخ نویس محبّ الحسن نے اپنی انگریزی کتاب ’ہسٹری آف ٹیپو سلطان‘ میں مختلف اور معتبر مصادر کی مراجعت کے ساتھ کیا ہے۔ اسی کتاب میں وہ لکھتے ہیں کہ ۱۹۱۶ء میں میسور کے محکمہ آثار قدیمہ کے ڈائریکٹر ’راؤ بہادر‘ کو سرنگیری مندر میں ٹیپو کے خطوط کا ایک مجموعہ ہاتھ لگا جو دراصل ہندوؤں کے تئیں ٹیپو سلطان کی مدارات اور مذہبی رواداری کے سیکڑوں واقعات کی دستاویز کی حیثیت رکھتا تھا۔ اگر فرقہ پرستی کے عینک کو اتار کر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو تاریخ کی دیگر کتابوں میں بھی یہ حقائق حرف جلی کے ساتھ نظر آتے ہیں جیسا کہ ان کی جانب جسٹس کاٹجو نے بھی اشارہ کیا ہے۔

اس موقع پر اس سچائی کو تسلیم کرنے میں کوئی قباحت نہیں کہ بعض موقع پر انھوں نے غیرمسلموں کے ساتھ سخت گیری کا معاملہ کیا، لیکن ساتھ میں اس حقیقت کو بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ اس طرح کے معاملے ٹیپو کے مذہبی جذبات سے وابستہ نہ تھے بلکہ یہ سخت گیری بادشاہی حکم کی سرتابی کا نتیجہ تھی اور حکم عدولی جیسے جرم کے پاداش میں دی جانے والی سزا میں تو انھوں نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان کوئی امتیاز ہی نہیں برتا۔ ٹیپو کی سب سے نمایاں خوبی یہ تھی کہ وہ مذہب اور سیاست کو علیحدہ علیحدہ رکھتے تھے اور ملک کے مفاد میں بنائے جانے والی حکومتی پالیسیوں میں کبھی بھی مذہبی عقائد کو اثر انداز نہیں ہونے دیا۔ یہ الزام تو عقل کے بھی خلاف ہے کہ ٹیپو ہندو- مسلم ہم آہنگی کے مخالف تھے اور انھوں نے ہندوؤں پر ظلم کیا؛ کیوں کہ برطانوی سامراج جیسی طاقت سے لوہا لینے کی مہم میں بھی اگر وہ اندرونِ خانہ مذہبی تعصب کے برتاؤ کو روا رکھتے اور آپسی انتشار

کی لکیر کھینچتے تو اس عمل سے تو ٹیپو کی انگریزوں کے خلاف معرکہ آرائی کمزور پڑ جاتی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کو ملک سے بے دخل کرنے کے لیے ہو رہی جد و جہد ماند پڑ جاتی۔

جہاں تک ٹیپو پر جبراً تبدیلیٔ مذہب کا الزام ہے تو یہ سراسر بے بنیاد اور تاریخ کی رُوح کو مسخ کر دینے کے مترادف ہے۔ ٹیپو یقیناً ایک مسلم بادشاہ تھے؛ لیکن مذہب کو انھوں نے اپنی بادشاہت سے جدا رکھا اور رعایا کے ساتھ مذہبی رواداری اور عقائد کی آزادی کا برتاؤ کیا، تاریخ اس پر شاہد ہے۔ تاہم ٹیپو کی تاریخ میں تبدیلیٔ مذہب کے عنوان سے اِکا دُکّا واقعہ ملتا ہے۔ اس کا تاریخی تجزیہ کرتے ہوئے مؤرخ محبّ الحسن نے اپنی اُسی کتاب میں لکھا ہے کہ دراصل یہ تبدیلیٔ مذہب باغیوں کی بغاوت کی سزا تھی اور اس کی حیثیت مذہبی نہیں بلکہ سیاسی تھی اور اس کے پیچھے کوئی مذہبی محرک کارفرما نہ تھا بلکہ بغاوت کے سر کو دبانے کے لیے ٹیپو نے یہ مؤثّر حربہ استعمال کیا تھا۔ انگریزوں کے خلاف مشکل معرکوں کو سَر کرنے اور ہندوستان کو برطانوی بربریت سے پاک کرنے کے لیے ہر طرح کی بغاوت کا دبانا لازمی تھا جس کے لیے اگر ٹیپو نے یہ راہ اختیار کی تو اس میں بُرا کیا ہے اور کیا اس جرم کی تعقیب میں باغیوں کا قتل تبدیلیٔ مذہب کا بہتر متبادل ہو سکتا تھا؟ اس سزا میں سیاسی نقطۂ نظر سے بادشاہ اور باغی رعایا دونوں کے لیے بڑی مصلحتیں ہیں جنھیں ہر صاحبِ بصیرت سیاست داں اور سپہ سالارِ جنگ سمجھ سکتا ہے۔ اپنے ایک خط میں وہ خود لکھتے ہیں کہ 'میں نے 'نائرس' نامی شخص کو قبولِ اسلام اس لیے کروایا کہ اس نے اس سے قبل چھ مرتبہ بغاوت کی اور ہر مرتبہ میں نے اسے معاف کر دیا'۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ بغاوت پر تبدیلیٔ مذہب کی یہ سزا وقتی مصلحت پر مبنی تھی اور صرف 'مالابار' اور 'کُرگ' علاقے میں رَوا رکھی گئی تھی اور باقی مملکت میں یہ بات نہ تھی۔

ٹیپو کی مملکت میں مذہبی پالیسی کا تاریخی تجزیہ کرتے وقت عموماً ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ اُن کی مملکت میں تبدیلیٔ مذہب کے بعض واقعات برضا و رغبت بھی پیش آتے تھے۔ کُرگ کے لیڈر 'رنگا نایر' جیسے متعدد لوگوں نے ٹیپو سلطان کی سخاوت، انسانیت دوستی اور بلندیٔ اخلاق سے متاثر ہو کر مذہبِ اسلام کو اپنایا تھا، وہیں کچھ ایسے بھی تھے جو سلطان کی قربت اور ان کی چاپلوسی کے لیے ایسا کرتے تھے، تاہم ٹیپو نے بلاوجہ جبراً تبدیلیٔ مذاہب کرایا ہو، اس دعوی پر کوئی ٹھوس تاریخی ثبوت نہیں ہے۔ ٹیپو کے معاملے میں حقائق جاننے کے لیے ہم نہ تو عیسائیوں کی تصنیف کردہ تاریخی کتابوں پر اعتماد کر سکتے ہیں؛ کیوں کہ انگریزی رائٹرس کی تحریریں ان کے تئیں انتقامی جذبہ سے متاثر ہیں اور

نہ ہی آج کے سنگھی فکر کے حامل تاریخ نویسوں کی تحریر کردہ دستاویزات لائق اعتماد ہیں؛ کہ انھوں نے بھی اس معاملہ میں عیسائی لابی کی تقلید کا حلف لیا ہوا ہے، چنانچہ جس تاریخی کتاب کا حوالہ دے کر ٹیپو کے تعلق سے واویلا مچایا گیا وہ انگریزی مفکرین سے متاثر ہوکر فکشن کے طرز پر لکھی گئی ایک کتاب ہے جو دیگر تاریخی کتابوں کے مقابلے میں کچھ زیادہ اعتماد کے لائق نہیں۔

تاریخی سچائی یہ ہے کہ میسور کے حیدر علی کے بیٹے اور مملکت خداداد کے اس سلطان کا شمار ہندوستان کے اُن چند حکمرانوں میں ہوتا ہے جنھوں نے ملک کی آزادی کے لیے برطانوی سامراج کے خلاف کئی کامیاب جنگیں لڑیں۔ جس زمانے میں بنگال اور شمالی ہند میں برطانوی سامراج اپنے مقبوضات میں مسلسل اضافہ کر رہے تھے، اُسی دور میں جنوبی ہند میں دو ایسے مجاہد بادشاہ پیدا ہوئے جن کے نام تاریخ کے اوراق میں سنہرے حروف میں ثبت ہیں، یہ دو نام حیدر علی اور ٹیپو سلطان ہیں۔ پورے ملک میں انگریزوں کو اگر کہیں سخت مقابلہ کا سامنا کرنا پڑا اور اُن کے جارحانہ قدم کہیں رُک پائے تو وہ سلطنت خداداد ہی کا حصہ تھا جس کے روحِ رواں ٹیپو سلطان تھے۔ میسور کے اس بہادر بادشاہ نے انگریزوں کے دانت کھٹے کردیے اور اس تاریخی جملہ کے ساتھ کہ 'شیر کی ایک دن کی زندگی، گیدڑ کی سوسالہ زندگی سے بہتر ہے' مملکت میسور اور انگریزوں کے مابین ۱۷۹۹ء کی طویل اور مشہور جنگ کے دوران سرنگا پٹم میں شہادت پائی۔ ٹیپو کا یہ پیغام ان کے ہم وطنوں کے دلوں میں انگریز کی غلامی سے نفرت اور آزادی کا شیدائی بنادیا جو بعد میں جدوجہد آزادی کے ثمر آور کوشش پر منتج ہوا، اس طرح ہم ٹیپو کو تحریکِ آزادی کا نقطہ آغاز کہہ سکتے ہیں۔ ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد ہی انگریزی فوج کے قائد جنرل جارج ہیرس نے کہہ دیا تھا کہ اب ہندوستان ان کا ہے اور 'میں نے ہندوستان فتح کرلیا'۔ جنرل کا یہ قول بتاتا ہے کہ برطانوی سامراج کی نظر میں ٹیپو سب سے بڑا خطرہ تھے اور ہندوستان پر حکمرانی کے لیے ان کی شہادت کتنی اہم اور ضروری تھی۔ دوسری جانب اپنی ملک دوستی اور دیش بھگتی کے ہزاروں دعووں کے باوجود تاریخ شاہد ہے کہ سنگھ بریگیڈ نے ہمیشہ برطانوی سامراج کی وفاداری نبھائی، ان کا کوئی بھی لیڈر انگریزوں کے خلاف کبھی نبرد آزما نہ ہوا۔ ۱۹۲۱ء میں گاندھی کی 'عدمِ تعاون' کی تحریک ہو یا پھر ۱۹۴۲ء میں 'بھارت چھوڑو آندولن' یا اس جیسی دیگر تحریکِ آزادی ہو، سنگھیوں کا رویہ ہمیشہ سے انگریزوں کے تئیں وفاداری اور اُن کی مخبری کا رہا ہے۔ لہٰذا اگر اس ملک میں ٹیپو سلطان جیسے وطن پرست مجاہدین کا یومِ پیدائش نہیں منایا جائے گا تو کیا گوڈسے، ساورکر اور گولوالکر جیسے سنگھی نظریات کے حامل افراد کا جشن ملک منائے گا؟

ٹیپو سلطان ایک ممتاز سپہ سالار کے علاوہ ایک اچھے مصلح بھی تھے۔ وہ تعلیم یافتہ اور ایک دیندار انسان تھے، دینداری کا حال یہ تھا کہ ہمیشہ باوضو رہتے اور قرآن مجید کی تلاوت اُن کا خاص مشغلہ تھا۔ ملک دوستی اور انسانیت نوازی اُن کے رگ وپے میں پیوست تھی۔ انھوں نے جنوبی ہندوستان میں ایک ایسے نظامِ حکومت کی بنیاد رکھی اور ایک ایسی سلطنت قائم کی جو ملک اور بیرونِ ملک کے لیے اپنی مثال آپ ہے۔ انھوں نے بلاتفریق مذہب وملت رعایا کو خوشحال بنانے کے لیے جو فلاحی منصوبے تیار کیے، بعد میں آنے والے حکمراں ایسے منصوبے تو کیا بناتے، اُن پر عمل آوری بھی نہ کرا سکے۔ عام انسانوں کے ہمدرد اور شرافت ومساوات کے حامل ٹیپو سلطان نے سب سے زیادہ توجہ کسانوں کے مسائل پر دی، جو طبقہ آج کے دورِ حکومت میں ''سب کا ساتھ، سب کا وکاس اور سب کا انصاف'' کے بہانگ دہل نعرہ کے علی الرغم سب سے زیادہ تباہ ہے اور خودکشی پر آمادہ ہے۔ مؤرخین کے خیال میں کسانوں کے حق میں اٹھایا جانے والا ایسا انقلابی قدم آج تک تاریخ کی آنکھوں نے نہیں دیکھا۔ جاگیرداری کو ختم کرکے اراضی کی اصلاحات پر جو کام ٹیپو کے دور میں ہوئے ان سے نہ صرف صدیوں بیکار پڑیں زمینیں کاشت کے قابل ہوگئیں بلکہ اس سے کروڑوں کاشتکاروں کی اقتصادی حالت بہتر ہوئی اور ملک نے ترقی کی نئی راہیں دیکھیں، اسی عہد میں ریاست میں پہلی مرتبہ بینک قائم کیے گئے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب تک ٹیپو سلطانؒ برسرِ اقتدار رہے، انھوں نے ملک میں کوئی چیز باہر سے نہ آنے دی، یہاں تک کہ نمک بھی اندرونِ ملک تیار ہونے لگا۔ اسی طرح اسلحہ سازی سے لے کر کپڑے، برتنوں کی تیاری، لکڑی کے سامان، ریشمی مصنوعات اور لوہے وغیرہ کی صنعت میں ریاستِ میسور نہ صرف خودکفیل ہوگئی، بلکہ بہت سارے سامان برآمد بھی کرنے لگی۔ انھوں نے اپنی ریاست میں کئی معاشرتی اور اقتصادی اصلاحاتیں کیں جن سے پوری ریاست خوشحال بن گئی۔ ریاست میسور کی خوشحالی کا اعتراف اس زمانے کے ایک انگریز نے ان الفاظ میں کیا ہے 'میسور ہندوستان میں سب سے سرسبز علاقہ ہے، یہاں ٹیپو کی حکمرانی ہے، میسور کے باشندے سب سے زیادہ خوشحال ہیں، اس کے برعکس انگریزی مقبوضات صفحۂ عالم پر بدنما دھبوں کی حیثیت رکھتے ہیں، جہاں رعایا قانونی شکنجوں میں جکڑی ہوئی پریشان ہے'۔

انھوں نے اپنے دورِ حکمرانی میں متعدد اور مفید انتظامی اور فلاحی اقدامات سے ملک کو روشناس کرایا۔ زمینی پیداوار سے ملک کو حاصل ہونے والی آمدنی کا نظام، ملک میں رائج سکّوں کا چلن، شمسی اور قمری نظام کا امتزاجی کیلنڈر اور جنوبی ہندوستان میں ریشم کی صنعت کا فروغ، یہ

سارے اقدامات ٹیپو کی یادگار ہیں جن سے ان کی ملک دوستی، غریب پروری، سیکولر مزاجی اور روشن خیالی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ملک کے معروف تاریخ داں عرفان حبیب ٹیپو کی خدمات کے سیاق میں کہتے ہیں کہ میسور اور اس کے اطراف میں ریشم کی صنعت کا فروغ دراصل ٹیپو سلطان کی غریب پرور حکمرانی کی رہینِ منت ہے۔ پورے ملک کی ریشمی صنعت کا 70% سے زیادہ حصہ تنہا کرناٹک میں ہوتا ہے جس میں سب سے زیادہ میسور ضلع کی پیداوار ہے۔ ملک میں ریشم کی صنعت کو فروغ دینے کے کا پورا کریڈٹ ٹیپو کو جاتا ہے اور اسے تمام تاریخ نویسوں نے تسلیم کیا ہے۔ عرفان حبیب کہتے ہیں کہ اگر ٹیپو سلطان اپنے دور میں انگریزوں سے مصالحت کرلیتے تو صرف جنوب ہندوستان ہی نہیں بلکہ پورے ملک کی بادشاہت انھیں مل جاتی جیسا کہ برطانوی سامراج نے انھیں بار بار اس کی پیشکش کی تھی۔ تاریخی زاویہ سے ٹیپو کو ملک کے دفاعی نظام میں بھی ممتاز مقام حاصل ہے، ملک کے موجودہ ایڈوانس میزائل سسٹم بھی انھیں کے دفاعی اسٹراٹیجی کا حصہ ہے جو ۱۷۹۹ء کی جنگ میں برطانوی ترقی یافتہ دفاعی نظام کے مقابلے میں انھوں نے تیار کی تھی، اسی وجہ سے ٹیپو کو برصغیر میں راکٹ سازی کا موجد کہا جاتا ہے، ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام مرحوم بھی اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ 'مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہورہی ہے کہ 'ناسا' ہندوستان کے ایک بادشاہ (ٹیپو سلطان) کو راکٹ مین کی حیثیت سے یاد کررہا ہے'۔

ہونا تو یہ چاہئے کہ ٹیپو کو ایک تاریخی بادشاہ کی حیثیت سے یاد کیا جاتا نہ کہ کسی خاص مذہب سے جوڑ کر، اور علمِ تاریخ کا اصول بھی یہی بتاتا ہے کہ تاریخ کے واقعات کا جائزہ اس کے متعلقہ تمام گوشوں کو سامنے رکھ کر کرنا چاہئے نا کہ کسی خاص حصہ کو اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے استعمال کرنا چاہئے، ایسا کرنیا تاریخ کے ساتھ خیانت ہے۔ چنانچہ ٹیپو پر مچائے جارہے واویلا پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے ملک کے متعدد نامور تاریخ دانوں نے ان الزامات کی پرزور تردید کی ہے اور سیاسی جماعتوں سے اس مسئلے کو اپنا سیاسی ایشو بنانے سے گریز کرنے کی اپیل کی ہے۔ ایک مؤقر انگریزی روزنامہ کے مطابق مشہور جدید تاریخ دان دلیپ مینن نے ٹیپو پر حزبِ اختلاف کی جانب سے لگائے جارہے ان الزامات کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ: 'بی جے پی ٹیپو کی جشنِ پیدائش کی مخالفت کیوں کررہی ہے، ٹیپو کی شخصیت گو کہ پیچیدہ اور موضوع بحث ہے، تاہم انگریزوں کے خلاف سرنگاپٹم میں جامِ شہادت نوش کرنے والا یہ بادشاہ اٹھارہویں صدی کا سب سے بہتر مطلق العنان حکمراں تھا، جہاں تک ہندوؤں کے خلاف اس کے رویہ کی بات ہے تو اس طرح کی زیادتی تو 'اشوکا' نے بھی

ہندوؤں کے ساتھ کی تھی، کیا بی جے پی اشوکا کی مخالفت کرے گی؟ تاریخ کا مطلب ماضی کے واقعات اور تجربات کو بعینہ جاننا ہے نہ کہ سیاسی شعبدہ بازی کے لیے ان کا استعمال کرنا‘۔فوجی مؤرخ مندیپ سنگھ بجوا نے بھی بی جے پی کے اس موقف کی سختی سے تردید کی ہے اور ٹیپو کی زندگی کے اختلافی اور متنازع پہلوؤں پر واویلا مچانے کے بجائے انتظامی اور فلاحی کاموں میں اُن کی جانب سے اٹھائے گئے مثالی اقدامات کا مطالعہ کرنے اور انھیں اپنانے کی صلاح دی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے انتقال کے بعد غیر آزاد ہندوستان میں نظام الملک آصف جاہ، حیدرعلی اور ٹیپو سلطان جیسی حیرت انگیز صلاحیت رکھنے والا کوئی تیسرا حکمراں نظر نہیں آتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ برصغیر میں انگریزوں کا جتنا کامیاب مقابلہ ٹیپو سلطان نے کیا اور برطانوی سامراج کے خلاف ۳۵ سالوں تک مسلسل نبرد آزمائی کرتے ہوئے جس شجاعت اور سپہ سالاری کا ثبوت دیا وہ کسی اور مسلم یا غیر مسلم حکمراں کے حصے میں نہیں آیا۔حکمراں ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو عام آدمی سمجھتے تھے۔علامہ اقبالؒ نے ٹیپو کی عظمت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ’’ٹیپو کی عظمت کو تاریخ کبھی فراموش نہ کرسکے گی، وہ مذہب وملت اور آزادی کے لیے آخری دم تک لڑتے رہے، یہاں تک کہ اس راہ میں وہ شہید ہوگئے‘‘۔

ہندوستان کی تاریخ سے مسلم حکمرانوں کے نام ونشان مٹانے کے تعلق سے ہندوتو اور سنگھ پریوار سے وابستہ تنظیموں کا یہ منفی رویہ جگ ظاہر ہے۔مودی سرکار سے قبل اٹل بہاری واجپئی کے دور حکومت میں بھی سرکار پر تاریخ کو مسخ کرنے کا الزام سامنے آیا تھا اور اب تو سنگھ اپنے اسٹار پرچارک کی قیادت میں تاریخِ ہند کو مسخ کرنے کی مذموم کوشش میں پوری تگ ودو کے ساتھ مصروف ہے۔مسلمان بادشاہوں کی عظمت کو تارتار کرنے کے لیے کبھی اورنگ زیب عالمگیرؒ اور ٹیپو سلطانؒ جیسے منصف، روادار اور ملک دوست مسلم حکمرانوں کو ہندو مخالف بتاکر تاریخ میں لیپاپوتی کرنے کی کوشش کی جارہی ہے تو کبھی جے این یو اور اے ایم یو جیسے ملک کے ممتاز اور سیکولر تعلیمی اداروں کو دہشت پسندی کی نرسری بتاکر نیا شگوفہ چھوڑا جارہا ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ وزیراعظم نریندر مودی کا ملک سے باہر برطانیہ کی کیمرون سرکار سے ’ہندوستان میں عدمِ برداشت کی کوئی جگہ نہیں‘ کا وعدہ کہاں تک سنگھ پریوار اور خود اپنی پارٹی سے منسلک متشدد افراد کو درسِ رواداری دے پاتا ہے، تاکہ یہ لوگ ملک کی تاریخ کو سیاست کی گلیاروں کا کھیل نہ بنائیں اور محض سیاسی مفاد کے حصول کے لیے تاریخ کے سفید باب کو سیاہ اور سیاہ کو سفید بنانے کی سعی بند کرسکیں۔